بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

خادم الحرمین خلیفۃ المسلمین شاہ فیصل کی شہادت

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر وصال شیخ مستعظم امیر المومنین

آہ، کعبۃ اللہ اور مدینۃ الرسول کا کیسا خادم یکایک دنیا سے چل بسا۔ جلالۃ الملک فیصل المعظم شہید کر دیئے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ایک ایسے مرحلہ پر کہ عرب اور اسرائیل کے درمیان امن مذاکرات ناکامی کے موڑ پر پہنچ گئے تھے اور مغرب کا عیار نمائیدہ کسنجر بظاہر اس کا ذمہ دار اسرائیل کو ٹھہرا رہا تھا۔ اور جنگ کے بادل نہایت گہرے ہوتے گئے۔ کہ عالم عرب اپنے ایک عظیم اور مدبر سپوت سے محروم ہو گیا۔ پرسوں جبکہ اسلامیان عالم اپنے آقا اور مولیٰ نبی عربی تاجدار دو جہاں علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کر رہے تھے۔ پاسبان حجاز ملک فیصل نے ایسے ہی ایک تقریب میں گویا آقائے مدینہ کے حضور میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔ شہادت تو مطلوب و مقصودِ مؤمن ہے اور ملک فیصل نے تو اسی موسم حج میں اپنے خطبہ عرفات کے دوران بیت المقدس کی بازیابی اور فلسطین کی آزادی کی راہ میں شہادت کی آرزو اور تمنا بھی ظاہر کر دی تھی۔ انہوں نے شہادت پا کر حیات جاودانی حاصل کر لی۔ مگر ایک شقی مسلمان کے ہاتھوں ان کی شہادت نے ہماری تاریخ کا وہ سیاہ باب دہرا دیا جبکہ بظاہر اپنوں ہی کے ہاتھوں حضرت عثمان اور حضرت علی اور پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو جام شہادت نوش کرنا پڑا۔

آج جبکہ پوری ملت مسلمہ شاہ فیصل کی جدائی پر ماتم کناں ہے، علم اور دین کی محفلوں میں قیامت برپا ہے۔ اور مسلمانوں کے ایوان حکومت و سیاست اضطراب میں ڈوب چکے ہیں۔ تو اس لئے نہیں کہ مرحوم فیصل ایک بادشاہ اور دنیا کی بہت بڑی مالدار ریاست کے حکمران تھے بلکہ اس لئے کہ عالم اسلام اپنے ایک نہایت ہمدرد و شفیق سرپرست اور دردمند بزرگ سے محروم ہو گیا ہے۔ یہ مقام اور منصب انہیں قانون اور روایتی رسم و رواج نے نہیں بلکہ ان کی فعال اور زندہ جاوید شخصیت نے

دیا تھا۔ وہ بظاہر سعودی عرب کے حکمران تھے مگر ان کے درد و اخلاص، ملت مسلمہ کی فکرمندی اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی کوششوں، ان کی سیاسی بصیرت، تدبّر، دور اندیشی، شرافتِ نفس، بردباری اور متحمل مزاجی کے ساتھ مدبرانہ صلاحیتوں نے انہیں دنیا کے کروڑوں مسلمانوں کے قلوب پر حکمرانی بخش دی تھی۔ عالم اسلام میں انہیں قلب کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ حرمین الشریفین کی پاسبانی کے ساتھ ذاتی صفات اور بلندیٔ کردار نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ اور وہ غیر شعوری طور پر مسلمانوں کے ان احساسات اور تمناؤں کے مرکز بنتے چلے گئے جو وہ اپنے دلوں میں خلافتِ اسلامیہ اور مرکزیتِ عالم اسلام کے بارہ میں رکھتے تھے مسلمانوں کی ان حسین اور معصوم تمناؤں کا اظہار عالم اسلام کے کئی قائدین نے بھی کیا کہ کاش عالم اسلام کو مرحوم ملک فیصل کی دامن عاطفت میں پھر خلافتِ اسلامیہ کا گوہر گم گشتہ مل سکے۔

لاہور کی سربراہ کانفرنس میں تو اس کوہ وقار و تمکنت کی ادائیں دیکھ کر یہ احساس اور بھی شدّت سے ابھرا، ایسے مواقع پر ان کی شاہانہ تمکنت وعظمت کے ساتھ مومنانہ انکسار و تواضع اور عبدیت میں ڈوبی ہوئی شانِ دلربائی سے دنیا بھر کے اسلامی حکمرانوں میں ان کی انفرادیت اور بھی نمایاں ہو جاتی وہ بظاہر خاموش رہتے مگر دیکھنے والوں سے کہہ رہے ہوتے ؎

من مثال لالۂ صحرا ستم
درمیان محفلے تنہا ستم

وہ بظاہر بااختیار حکمران تھے مگر لاہور کی بادشاہی مسجد میں رب العالمین کی بارگاہ میں جس انداز غلامانہ سے اپنی جبین نیاز جھکا رہے تھے اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہوکر ماحول سے بے نیاز ہوکر اور سراپا عجز و نیاز بن کر جس انداز میں بارگاہ ایزدی میں اپنے آنسوؤں کے آبدار و تابدار موتی پیش کر رہے تھے وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ اور صدیوں بعد شاہی مسجد کو اپنے معمار اورنگزیب عالمگیرؒ کا نمونہ دیکھنا نصیب ہو سکا تھا۔ ع

ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

اسلامیانِ عالم کی نظریں اس بے مثال اجتماع میں عالم اسلام کے قائدین کے اس جنگل میں ہارون الرشیدؒ کی عظمت و سطوت عمر بن عبدالعزیزؒ کا درد و سوز، عالمگیرؒ کا فقر اور جذبۂ علم پروری تلاش کر رہی تھیں۔ اور اسکی کچھ جھلکیاں دکھائی بھی دیں تو شاہ فیصل مرحوم میں، وہ عموماً خاموش رہتے مگر ان کا دل ملتِ اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ کی تمناؤں کا آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اور ان کے چہرہ کی سلوٹیں ملت کے

درد اور مسؤلیت خداوندی کے گہرے احساسات کی غماز ہوتیں، وہ مسلمانوں کے ہر اہم اجتماع میں اپنی شانِ بے نیازی شاہانہ عظمت اور مؤمنانہ مسکنت کی وجہ سے میر محفل بن جاتے، شاہوں کو وہ شاہ لگتے تو علماء عارفین اور فقراء مقربین کو وہ ایک عارف و زاہد ۱۹۶۴ء میں جب وہ سریر آرائے امارت ہوئے تو زہے نصیب کہ راقم مدینہ طیبہ میں مقیم تھا۔ شاہ سعود کی معزولی اور شاہ فیصل کی امارت کی اطلاع میں نے مدینہ طیبہ کی اسلامی یونیورسٹی میں سنی جہاں میں اتفاق سے رات کو بعض دوستوں کے ساتھ ٹھہر گیا تھا۔ اس تبدیلی اور انقلاب سے آس پاس کے چہروں پر فکر کی لہریں دوڑ گئیں علم اور دین سے وابستہ افراد اور بالخصوص مغربی استعمار سے عداوت رکھنے والے حلقوں میں تشویش کی فضا پیدا ہوئی، وسوسوں نے انگڑائیاں لیں کہ معلوم نہیں شاہ سعود کے جاری کردہ علم اور دین کے کارہائے خیر کا کیا بنے گا۔؟ اور نئے حکمران کا رویہ دشمن اسلام امریکہ اور یورپ کے ساتھ کیسا ہوگا۔؟ جس نے سعودی عرب کو کلی طور پر اپنے رحم وکرم سے وابستہ کر رکھا ہے۔ وہ مغرب کے حلیف سمجھے جاتے تھے۔ مگر بہت جلد انہوں نے ان تمام خدشات کو غلط ثابت کر دیا اور وہ اس معاملہ میں اپنے پیش رو شاہ سعود سے بھی کہیں زیادہ مدبر، ذہین، معاملہ فہم اور گرم جوش ثابت ہوئے اور مشرقِ وسطیٰ کے بحران میں انہوں نے مغربی سامراج کے مقابلہ میں نہایت اعلیٰ، بلند اور مثالی قائدانہ کردار ادا کیا، اس لئے کہ وہ مردِ مومن تھے اور بقول مشہور عرب ادیب امیر شکیب ارسلان: لایجتمع الاسلام والمیل الی الاستعمار الاوربی فی قلب واحد - اسلام اور مغربی سامراج کی محبت ہرگز ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد شاہ فیصل نے مغربی استعمار کے عظیم دشمن صدر ناصر مرحوم سے دوستی قائم کرنے میں بھی تامل نہ کیا، جن کی زندگی برِّصغیر کے امام حرّیت مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے ان الفاظ کی عملی تفسیر تھی کہ:

> "ہم غاروں میں چرندوں سے سمندروں میں مگرمچھوں سے اور بھٹوں میں سانپوں سے صلح کر سکتے ہیں لیکن جب تک جزیرۃ العرب کی کسی چپہ زمین پر بھی برطانوی اقتدار باقی ہے ہم انگریزوں کیطرف صلح کا ہاتھ بڑھانے کیلئے تیار نہیں۔"

شاہ فیصل نے ۱۹۶۶ء میں صدر ناصر کے ساتھ جمہوریہ یمن کے قیام کے لئے ایک سمجھوتہ پر دستخط کر دیا۔ وہ اسرائیل سے ہر محاذ پر برسرِ پیکار ہوگئے اور صیہونیت کے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے رہے۔ انہوں نے سیاسی تدبّر اور معتدل طبیعت کے ساتھ اپنے مغربی دوستوں پر بھرپور وار کئے۔ سقوط بیت المقدس کی قیامت اور فلسطین کی غلامی کا سانحہ ان کے لئے سوہانِ روح بن گیا

تھا۔ اور وہ استخلاص فلسطین اور بیت المقدس کی بازیابی کیلئے سیاسی، جنگی، اقتصادی ہر محاذ پر اپنی بہترین صلاحیتیں استعمال کرنے لگے اس مقصد کے لئے انہوں نے ہر نازک موقعہ پر عرب ممالک کے لئے اپنی بے پناہ دولت کے خزانے کھول دئے۔ اور گذشتہ جنگ رمضان کے موقع پر تو عملاً بھی جنگ میں کود پڑے اور عالم عرب کے سب سے مؤثر اور کارآمد ہتھیار تیل کو یورپ کے خلاف استعمال کرنے میں تو آپ کو بنیادی رول ادا کرنا پڑا اور بلاشبہ حرب رمضان کی فتح میں شاہ فیصل کا نام سرِفہرست رہے گا۔ پھر وہ صرف عالم عرب کیلئے بے چین نہ رہے جس کے اتحاد کے لئے آپ نے لگاتار دورے کئے، بلکہ پوری دنیائے اسلام کے اتحاد کا فکر انہیں دامنگیر تھا وہ کسی فیڈریشن پر مبنی جزوی یا علاقائی اتحاد پر نہیں بلکہ عقیدہ اور نظریہ کی راسخ بنیادوں پر مبنی وسیع اور مضبوط اسلامی اتحاد کے علمبردار تھے۔ اور اس اتحاد کے مبلغ بن کر وہ راشد التضامن الاسلامی۔ کہلائے ان کے اتحاد عالم اسلام کے مساعی کا سلسلہ مغرب کی رباط کانفرنس اور اسلامی سیکرٹریٹ سے لیکر مشرق کی لاہور کانفرنس تک دراز ہے۔ ان سٹیجوں پر عالم اسلام کو جمع کرنے میں آپ کا بنیادی حصہ ہے۔ وہ ایک طرف مصر سے مراسم مضبوط کرتے چلے گئے دوسری طرف اتحاد کے خطوط پر خلیج کی ریاستوں بالخصوص ابوظہبی کے شیخ زائد سے مصالحت کے رشتے نکال لائے پاکستان اور افغانستان کی غلط فہمیاں دور کرنے کیلئے اپنے قاصد دوڑائے۔ لیبیا اور مصر کو آپس میں قریب رکھنے کی سعی کی، عراق اور ایران کی صلح پر انہیں بے حد مسرت ہوئی اور پاکستان کے افتراق و انتشار اور بنگلہ دیش کی شکل میں دو لخت ہو جانے پر انہوں نے آنسو بہائے۔ رباط کانفرنس میں شاہ حسین کو فلسطین کی نمائندہ تنظیم آزادی کو تسلیم کرنے پر آمادہ کیا ــــــ۔

الغرض! عالم اسلام پر جہاں کوئی افتاد پڑتی وہ بے دریغ اپنی جانی اور مالی مدد کے ساتھ پہنچ جاتے۔ پاکستان کے حالیہ زلزلہ میں انہوں نے بہت بڑی مدد کی ان سب باتوں کے علاوہ وہ نہ صرف اسلامی ممالک بلکہ جہاں کہیں بھی مسلمانوں کی تھوڑی بہت آبادی تھی۔ ان کی سیاسی، تمدنی، دینی اور ثقافتی تحفظ اور سرپرستی میں پیش پیش ہوتے۔ اور ان کی علمی دینی اور ثقافتی ضروریات، مسجد مدرسہ لائبریری تعلیمی مراکز کے قیام میں کروڑوں ریال خرچ کرتے، رابطۂ عالم اسلامی کے ذریعہ علم اور دین کی اشاعت، اقلیتی مسلمانوں کے حقوق کی جدوجہد، تبلیغی اور ثقافتی وفود کی ترسیل، اور اسلامی مراکز کا قیام ان کے عظیم الشان صدقاتِ جاریہ میں سے ہیں۔ مغربی اثرات اور شیوعیۃ کے اثر و نفوذ کے تدارک کا آپ کو خاص اہتمام تھا۔ اسلام کے خلاف علم اور ثقافت کے میدانوں میں درپردہ صیہونی اور استعماری

سازشوں سے آپ فکر مند رہتے۔ اسلامی لبادہ اوڑھے ہوئے فرقوں اور فتنوں کے انسداد کے لئے بے چین رہتے، قادیانیت، صیہونیت، بہائیت، اشتراکیت، شیوعیۃ، ماڈرنزم، تجدد اور اباحیت کے خلاف رابطہ کے ذریعہ قرار دادیں پاس کروائیں اور دوسرے ذرائع سے بھی پوری دنیا میں ان فتنوں کا تعاقب کرتے رہے۔ کتاب وسنت اور ان سے متعلقہ علوم کی اشاعت اور ترویج پر خزانے کا ایک بڑا حصہ خرچ کرتے رہے۔ انہوں نے اپنے دورِ حکومت میں اپنی سلطنت کی پسماندگی کو ترقی اور خوشحالی سے ایسا بدل دیا کہ باہر کے لوگ حیران رہ جاتے۔ حجاج کرام کے لئے وہ تمام سہولتیں مہیا فرمائیں جو ممکن ہو سکتی تھیں اور حرمین الشریفین کی تعمیر و توسیع کیلئے جو کچھ کیا اس کا اندازہ لاکھوں زائرین و حجاج ہر سال خود لگا سکتے ہیں کہ اسلامی تاریخ میں اب تک اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ سب کچھ انہوں نے کیا مگر دوسرے فانی انسانوں کی طرح انہیں بھی رب کے بلاوے پہ لبیک کہنا تھا۔ اور انہوں نے اجابت دعوت میں جامِ شہادت نوش کیا۔ آپ نے پیچھے ذکرِ خیر اعلیٰ کردار اور صدقات جاریہ کی ایک دنیا چھوڑ دی۔ مگر آج عالم عرب ایسے عالم میں انہیں ڈھونڈ رہا ہے کہ اسرائیل اور مغربی سامراج کے خطرات سر پر منڈلا رہے ہیں۔ استبداد کا عفریت منہ کھولے ہوئے ہے۔ عالمِ اسلام ایسے عالم میں ان پہ نوحہ کناں ہے۔ کہ ان کا شیرازہ سمٹنے نہیں سمٹ رہا۔ علماء اور دینی مراکز اس عالم میں مرثیہ خوان ہیں کہ ابھی اس سلطانِ علم و دین کے عواطفِ علم و فضل کی بے حد ضرورت تھی۔ مگر وہ خادم الحرمین وہ رائد التضامن الاسلامی، وہ جلالۃ الملک فیصل المعظمؒ جو اس دورِ زوال و پستی میں مرکزِ مسلمین بننے کے سزاوار تھے، جن کیطرف غیر شعوری طور پر نظریں اٹھنے لگی تھیں، جو کروڑوں مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن بنتے جا رہے تھے۔ یکایک دنیا سے روپوش ہو گئے۔

خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود

اب یہ ان کے جانشینوں اور نجد و حجاز کے غیور اور بہادر بادیہ پیما عربوں کا کام ہے کہ شاہ مرحوم کے عظیم مقاصد عظیم ارادوں اور مقدس مشن کو ہر لحاظ سے جاری و ساری رکھیں اور اگر وہ ان کا مشن، ان کا جذبہ ان کا درد و سوز اور ان کا مؤمنانہ کردار زندہ رکھ سکے۔ تو شاہ مرحوم نہ صرف زندہ بلکہ زندہ جاوید ہوں گے ۔

خلوص و ہمت اہل چمن پہ ہے موقوف   کہ شاخِ خشک میں پھر سے برگ و بار آئے

ربنا افرغ علینا صبراً و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکفرین۔